

اسلام میں مرتد کا حکم

کیا حکومت اسلامی میں تبلیغ کفر کی اجازت ہے؟

مجرد مذہب اور مذہبی ریاست کا بنیادی فرق | گذشتہ صفحات میں ہم نے قبل مرتد پر اعتراض کرنے والوں کے جو دلائل نقل کیے ہیں اور ان کے جواب میں اپنی طرف سے جو دلائل پیش کیے ہیں ان کا مقابلہ کرنے سے ایک بات بالکل واضح طور پر نظر کے سامنے آ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ مقرر ضمیمہ مرتد کی سزا پر جتنے اعتراض کرتے ہیں محض ایک "مذہب" کو نگاہ میں رکھ کر کرتے ہیں، اور اس کے برعکس ہم اس سزا کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیتے ہیں ان میں ہمارے پیش نظر مجرد مذہب نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا اسٹیٹ ہوتا ہے جو کسی خاندان یا طبقہ یا قوم کی حاکمیت کے بجائے ایک دین اور اس کے اصولوں کی حاکمیت پر تعمیر ہوا ہو۔ جہاں تک مجرد مذہب کا تعلق ہے، ہمارے اور مقرر ضمیمہ کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایسا مذہب مرتد کو سزا دینے کا حق نہیں رکھتا جب کہ سوسائٹی کا نظم و نسق اور ریاست کا وجود علائقہ اس کی بنیاد پر قائم نہ ہو۔ جہاں اور جن حالات میں اسلام فی الواقع ویسے ہی ایک مذہب کی حیثیت رکھتا ہو جیسا کہ مقرر ضمیمہ کا تصویر مذہب ہے، وہاں ہم بھی مرتد کو سزائے موت دینے کے قائل نہیں ہیں۔ فقہ اسلامی کی رو سے محض ارتداد کی سزا ہی نہیں، اسلام کے تعزیری احکام میں سے کوئی حکم بھی ایسے حالات میں قابلِ نفاذ نہیں ہوتا جبکہ اسلامی ریاست (یا با صلاہ شرع سلطان) موجود نہ ہو۔ لہذا مسئلہ کے اس پہلو میں ہمارے اور مقرر ضمیمہ کے درمیان بحث خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ اب قابلِ بحث صرف دوسرا پہلو رہ جاتا ہے یعنی یہ کہ جہاں مذہب خود حاکم ہو، جہاں مذہبی قانون ملکی قانون ہو، اور جہاں مذہب ہی نے امن و انتظام کے برقرار رکھنے کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں رکھی ہو، آیا وہاں بھی مذہب ایسے لوگوں کو سزا دینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں جو اس کی اطاعت و وفاداری کا عہد کرنے کے بعد اس سے پھر جائیں؟ ہم اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں۔ کیا ہمارے مقرر ضمیمہ کے پاس اس کا جواب نفی میں ہے؟ اگر نہیں

تواخلاف بالکل ہی دور ہوا جاتا ہے، اور اگر ہے تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اسپر انھیں کیا اعتراض ہے اور کیا ان کے دلائل ہیں؟

ریاست کا قانونی حق | یہ ایک الگ بحث ہے کہ آیا مذہبی ریاست بجائے خود صحیح ہے یا نہیں۔ چونکہ اہل مغرب کی پشت

پر پاپا یا بن روم کی ایک لمناک تاریخ ہے جس کے زخم خوردہ ہونے کی وجہ سے وہ مذہبی ریاست کا نام سننے ہی خوف سے لرز اٹھتے ہیں اس لیے جب کبھی کسی ایسی چیز کے متعلق انھیں گفتگو کا اتفاق ہوتا ہے جس پر مذہبی ریاست ہونے کا گمان کیا جاسکتا

ہو (اگرچہ اس کی نوعیت پاپائی سے بالکل مختلف ہی کیوں نہ ہو) تو جذبات کا ہیجان ان کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ بیچارے

اس پر ٹھنڈے دل سے معقول گفتگو کر سکیں۔ رہے ان کے مشرقی شاگرد تو اجتماعی و عمرانی مسائل پر ان کا سرمایہ علم جو کچھ بھی ہے

مغرب سے مستعار لیا ہوا ہے اور یہ اپنے استادوں سے مرث ان کی معلومات ہی ورثہ میں حاصل نہیں کرتے بلکہ میراث علمی کے

ساتھ ساتھ ان کے جذبات، رجحانات اور تعصبات بھی لے لیتے ہیں اس لیے قبل مرث اور اس نوعیت کے دوسرے مسائل پر

جب بحث کی جاتی ہے تو خواہ اہل مغرب ہوں یا ان کے مشرقی شاگرد یا عموم دونوں ہی اپنا توازن کھودیتے ہیں اور اصل قانونی

و دستوری سوال کو ان بحثوں میں الجھانے لگتے ہیں جو مذہبی ریاست کے بنیاد خود صحیح یا غلط ہونے کی بحث سے تعلق رکھتے ہیں

حالانکہ اگر بالفرض اسلامی ریاست انھی معنوں میں ایک "مذہبی ریاست" ہو جن معنوں میں اہل مغرب اسے لیتے ہیں، تب بھی اس

مسئلہ میں یہ بحث بالکل غیر متعلق ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ جو ریاست کسی خطہ زمین پر حاکمیت رکھتی ہو، آیا وہ اپنے وجود کی حفاظت

کے لیے ایسے افعال کو جرم قرار دینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں جو اس کے نظام کو درہم برہم کرنے والے ہوں؟ اس پر اگر کوئی

مقرض ہو تو وہ ہمیں بتائے کہ دنیا میں کب ریاست نے یہ حق استعمال نہیں کیا ہے اور آج کوئی ریاست ایسی ہے جو اس حق کو

استعمال نہیں کر رہی ہے۔ اشتراکی اور فاشست ریاستوں کو چھوڑیے، اہل جمہوری ریاستوں ہی کو دیکھ لیجیے جن کی تاریخ اور

جن کے نظریات سے موجودہ زمانہ کی دنیا نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے اور جن کو آج جمہوری نظام کی علمبرداری کا شرف حاصل

ہے، کیا یہ اس حق کو استعمال نہیں کر رہی ہیں؟

انگلستان کی مثال | مثال کے طور پر انگلستان کو لیجیے۔ انگریزی قانون جن لوگوں سے بحث کرتا ہے وہ دو بڑی قسموں

پر تقسیم ہوتے ہیں: ایک برطانوی رعایا (British subjects) - دوسرے اغیار (Allies) - برطانوی

رعایا کا اطلاق اولاً ان لوگوں پر ہوتا ہے جو برطانوی حدود کے اندر یا باہر ایسے یا پوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہوں جو شر

برطانیہ کی اطاعت و وفاداری کے منظم ہوں، یہ فطرۃ پیدائشی رعایائے برطانیہ (Natural born

British Subjects) کہلاتے ہیں اور ان کو آپ سے آپ اطاعت و وفاداری کا منظم قرار دیا جاتا ہے بغیر

کے کہ انھوں نے بالا راہہ شاہ برطانیہ کی وفاداری کا حلف لیا ہو۔ ثانیاً یہ لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو پہلے

اغیار میں سے تھے اور پھر چند قانونی شرائط کی تکمیل کے بعد انھوں نے شاہ برطانیہ کی وفاداری کا حلف لے کر برطانوی

رعایا ہونے کا شرف کیٹ حاصل کر لیا ہو۔ رہے اغیار تو اس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو کسی دوسری قومیت سے تعلق رکھتے

ہوں اور کسی دوسرے اسٹیٹ کی وفاداری کے منظم ہوں مگر برطانوی مملکت کی حدود میں مقیم ہوں۔ ان مختلف قسم کے

اشخاص کے متعلق انگریزی قانون کے حسب ذیل اصول قابل ملاحظہ ہیں۔

۱۔ اغیار میں سے ہر شخص جو برطانوی رعایا ہونے کے لیے ضروری قانونی شرائط کی تکمیل کر چکا ہو، یہ اختیار رکھتا

ہے کہ اپنی سابق قومیت ترک کر کے برطانوی قومیت میں داخل ہونے کی درخواست کرے۔ اس صورت میں سکرٹری

آف اسٹیٹ اس کے حالات کی تحقیق کرنے کے بعد شاہ برطانیہ کی اطاعت و وفاداری کا حلف لے کر اسے برطانوی قومیت

کا شرف کیٹ عطا کر دے گا۔

۲۔ کوئی شخص خواہ پیدائشی رعایا سے برطانیہ ہو، یا با اختیار خود برطانوی رعایا میں داخل ہوا ہو، از روئے قانون

یہ حق نہیں رکھتا کہ مملکت برطانیہ کے حدود میں رہتے ہوئے کسی دوسری قومیت کو اختیار کر لے اور کسی دوسرے اسٹیٹ

کی وفاداری کا حلف اٹھائے، یا جس قومیت سے وہ پہلے تعلق رکھتا تھا اس کی طرف پھر واپس چلا جائے۔ یہ حق اسے صرف

اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ برطانوی حدود سے باہر مقیم ہو۔

۳۔ برطانوی حدود سے باہر مقیم ہونے کی صورت میں بھی رعایائے برطانیہ کا کوئی فرد (خواہ وہ پیدائشی رعیت

ہو یا رعیت بن گیا ہو) یہ حق نہیں رکھتا کہ حالت جنگ میں برطانوی قومیت ترک کر کے کسی ایسی قوم کی قومیت اور کسی ایسے

اسٹیٹ کی وفاداری اختیار کر لے جو شاہ برطانیہ سے برسرِ جنگ ہو۔ یہ فعل برطانوی قانون کی رو سے غدیرِ کبیر (High treason) ہے جس کی سزا موت ہے۔

۴۔ برطانوی رعایا میں سے جو شخص برطانوی حدود کے اندر یا باہر رہتے ہوئے بادشاہ کے دشمنوں سے تعلق رکھے اور ان کو مدد اور آسائش بہم پہنچائے یا کوئی ایسا فعل کرے جو بادشاہ کے دشمنوں کو تقویت پہنچانے والا یا بادشاہ اور ملک کی قوتِ حملہ و مدافعت کو کمزور کرنے والا ہو وہ بھی غدیرِ کبیر کا مرتکب ہے اور اس کی سزا بھی موت ہے۔

۵۔ بادشاہ، ملکہ یا ولی عہد کی موت کے درپے ہونا یا اس کا تصور کرنا، بادشاہ کی رفیقہ یا اس کی بڑی بیٹی یا ولی عہد کی بیوی کو بے حرمت کرنا، بادشاہ کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا یا نشانہ تاکنا یا ہتھیار اس کے سامنے لانا جس سے مقصود اس کو نقصان پہنچانا یا خوف زدہ کرنا ہو، اسٹیٹ کے مذہب کو تبدیل کرنے یا اسٹیٹ کے قوانین کو منسوخ کرنے کے لیے قوت استعمال کرنا، یہ سب افعال بھی غدیرِ کبیر ہیں اور ان کا مرتکب بھی سزائے موت کا مستحق ہے۔

۶۔ بادشاہ کو اس کے منصب، اعزاز یا القاب سے محروم یا منزل کرنا بھی جرم ہے جس کی سزا جس دوام تک ہو سکتی ہے۔

اب سب امور میں بادشاہ سے مراد وہ شخص ہے جو بالفعل (De facto) بادشاہ ہو خواہ بالحق (De jure) بادشاہ ہو یا نہ ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قوانین کسی جذباتی بنیاد پر مبنی نہیں ہیں بلکہ اس اصول پر مبنی ہیں کہ قائم شدہ ریاست جس کے قیام پر ایک خطہ زمین میں سوسائٹی کے نظم کا قیام منحصر ہو، اپنے اجزائے ترکیبی کو انتشار سے بچر روکنے اور اپنے نظام کو خرابی سے بچانے کے لیے طاقت کے استعمال کا حق رکھتی ہے۔ برطانوی قانون جنہیں "اغیار" کہتا ہے ان کی حیثیت تقریباً وہی ہے جو اسلامی قانون میں ان لوگوں کی حیثیت ہے جو ذوقی کہلاتے ہیں۔ "برطانوی رعایا" کا اطلاق جس طرح پیدائشی اور اختیاری رعایا پر ہوتا ہے اسی طرح اسلام میں بھی مسلمان کا اطلاق دو قسم کے لوگوں پر ہوتا ہے، ایک وہ جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوں، دوسرے وہ جو غیر مسلموں میں سے با اختیار خود اسلام قبول کریں۔ برطانوی قانون بادشاہ اور شاہی خاندان کو صاحبِ حاکمیت ہونے کی حیثیت سے جو مقام دیتا ہے اسلامی قانون وہی حیثیت "دین"

کے بنیادی اصولوں کو دیتا ہے۔ پھر جس طرح برطانوی قانون برطانوی رعایا اور اغیار کے حقوق و واجبات میں فرق کرتا ہے اسی طرح اسلام بھی مسلم اور ذمی کے حقوق و واجبات میں فرق کرتا ہے۔ جس طرح برطانوی قانون برطانوی رعایا میں سے کسی شخص کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ حدود و مملکت برطانیہ میں رہتے ہوئے کسی دوسری قومیت کو اختیار کرے اور کسی دوسرے اسٹیٹ کی وفاداری کا حلف اٹھائے یا اپنی سابق قومیت کی طرف پلٹ جائے، اسی طرح اسلامی قانون بھی کسی مسلم کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ دارالاسلام کے اندر رہتے ہوئے کوئی دوسرا دین اختیار کرے یا اس دین کی طرف پلٹ جائے جسے ترک کر کے وہ دین اسلام میں آیا تھا۔ جس طرح برطانوی قانون کی رو سے برطانوی رعایا کا وہ فرد سزائے موت کا مستحق ہے جو برطانوی حدود کے باہر رہتے ہوئے شاہ برطانیہ کے دشمنوں کی قومیت اختیار کر لے اور کسی دشمن سلطنت کی وفاداری کا حلف اٹھائے، اسی طرح اسلامی قانون کی رو سے وہ مسلمان بھی سزائے موت کا مستحق ہے جو دارالاسلام کے باہر رہتے ہوئے حربی کافروں کا دین اختیار کر لے۔ اور جس طرح برطانوی قانون ان لوگوں کو اغیار کے سے حقوق دینے کے یکتا ہے جنہوں نے برطانوی قومیت چھوڑ کر کسی برسرِ صلح قوم کی قومیت اختیار کر لی ہو اسی طرح اسلامی قانون بھی ایسے مرتدین کے ساتھ معاہدہ قوم کے کافروں کا معاملہ کرتا ہے جو دارالاسلام سے نکل کر کسی ایسی کافر قوم سے جا ملے ہوں جس سے اسلامی حکومت کا معاہدہ ہو۔ اب یہ ہمارے لیے ایک ناقابلِ حل معما ہے کہ جن لوگوں کی ہڈی میں اسلامی قانون کی پوزیشن نہیں آتی ان کی ہڈی میں برطانوی قانون کی پوزیشن کیسے آجاتی ہے۔

امریکہ کی مثال | برطانیہ کے بعد دنیا کے دوسرے علمبردار جمہوریت ملک امریکا کے قوانین بھی اگرچہ تفصیلات میں کسی حد تک اس سے مختلف ہیں، لیکن اصول میں اس کے ساتھ پوری موافقت رکھتے ہیں۔ فرق بس یہ ہے کہ یہاں جو مقام باؤڈا کو دیا گیا ہے وہاں وہی مقام مالک متحدہ ادیان کے دستور کو دیا گیا ہے۔ مالک متحدہ کا پیدائشی شہری (Citizen) ہر وہ شخص ہے جو شہری کی اولاد سے پیدا ہو یا جو خواہ مالک متحدہ کے حدود میں پیدا ہو یا ان سے باہر۔ اور اختیاری شہری ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو چند قانونی شرائط کی تکمیل کے بعد دستور مالک متحدہ کے اصولوں کی وفاداری کا حلف اٹھائے۔ ان دونوں قسم کے شہریوں کے ماسوا ہاتی سب لوگ امریکی قانون کی نگاہ میں غیر ہیں اور امریکی قانون شہری اور اغیار کے حقوق

دو اوجہات کے درمیان وہی فرق کرتا ہے جو برطانوی قانون رعیت اور اغیار کے حقوق و واجبات میں کرتا ہے۔ ایک غیر شخص شہریت کی قانونی شرطیں پوری کرنے کے بعد مالک متحدہ کا شہری بن جانے میں تو آزاد ہے مگر شہری بن جانے کے بعد پھر اسے یہ آزادی حاصل نہیں رہتی کہ مالک متحدہ کے حدود میں رہتے ہوئے وہ اس شہریت کو ترک کر کے پھر اپنی سابق قومیت کی طرف پلٹ جائے۔ اور اسی طرح کسی پیدائشی شہری کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ مالک متحدہ کے حدود میں کسی دوسری قومیت کو اختیار کرے اور کسی دوسرے اسٹیٹ کی وفاداری کا حلف اٹھائے۔ علیٰ ہذا لیکھ اس شہریوں کے لیے قدر اور بغاوت کے قوانین مالک متحدہ میں بھی انہی اصولوں پر مبنی ہیں جن پر برطانوی قوانین قدر و بغاوت کی اساس رکھی گئی ہے۔ اور یہ کچھ انہی دونوں سلطنتوں پر موقوف نہیں ہے بلکہ دنیا کے جس ملک کا قانون بھی آپ اٹھا کر دیکھیں گے وہاں آپ کو یہی اصول کام کرتا نظر آئے گا کہ ایک اسٹیٹ جن عناصر کے اجتماع سے تعمیر ہوتا ہے ان کو وہ منتشر ہونے سے ضرور روکتا ہے اور ہر اس چیز کو طاقت سے دباتا ہے جو اس کے نظام کو درہم برہم کرنے کا رجحان رکھتی ہو۔

ریاست کا فطری حق | یہ ایک جدا گانہ بحث ہے کہ ایک اسٹیٹ کا وجود بجائے خود جائز ہے یا نہیں۔ اس معاملہ میں ہمارا اور ذمیوی ریاستوں (Secular states) کے حامیوں کا نقطہ نظر بالکل مختلف ہے۔ ہمارے نزدیک خدا کی حاکمیت کے سوا ہر دوسری حاکمیت پر ریاست کی تعمیر ناجائز ہے اس لیے جو ریاست بجائے خود ناجائز بنیاد پر قائم ہو اس کے لیے ہم اس بات کو جائز تسلیم نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے ناجائز وجود اور غلط نظام کی حفاظت کے لیے قوت استعمال کرے۔ اور اس کے برعکس ہمارے مخالفین الہی ریاست کو ناجائز اور صرف ذمیوی ریاست ہی کو جائز سمجھتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک ذمیوی ریاست کا اپنے وجود و نظام کی حفاظت میں جبر سے گناہناہن حق اور الہی ریاست کا یہی فعل کرنا عین باطل ہے لیکن اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ قاعدہ اپنی جگہ عالمگیر مقبولیت رکھتا ہے کہ ریاست اور حاکمیت کی عین فطرت اس امر کی مقتضی ہے کہ اسے اپنے نظام کی حفاظت کے لیے جبر اور قوت کے استعمال کا حق حاصل ہو۔ یہ حق ریاست میں حیثیت الریاست کا ذاتی حق (Inherent right) ہے اور اگر کوئی چیز اس حق کو باطل بنا دیتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ جو ریاست اس حق سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہو وہ آپ ہی باطل پر قائم ہوئی ہو اس لیے کہ باطل کا قیام بجائے خود

ایک جرم ہے اور اگر وہ اپنے قیام کے لیے طاقت سے کام لیتا ہے تو یہ شدید تر جرم ہو جاتا ہے۔

کافر اور مرتد کے ساتھ مختلف معاملہ کیوں ہے؟ اکثر لوگوں کے لیے یہ سوال سخت الجھن کا موجب بن جاتا ہے کہ ابتداء

کافر ہونے اور اسلام سے مرتد ہو کر کافر بن جانے میں آخر کیا فرق ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ جو قانون ایک شخص کے ابتداء کافر

ہونے کو برداشت کر لیتا ہے اور اسے اپنے حدود میں امن کی جگہ عطا کرتا ہے وہ آخر اُسی شخص کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد

پھر کافر ہو جانے کو اور ایک پیدائشی مسلمان کے کفر اختیار کر لینے کو کیوں برداشت نہیں کرتا؟ پہلی قسم کے کافر کا کفر اس دوسری

قسم کے کافر کے کفر اصولی اختلاف رکھتا ہے کہ وہ تو قانون کی نگاہ میں جرم نہ ہوا اور یہ جرم ہوا، اس کو فتنی بنا کر اس کی جان و

مال کی حفاظت کی جائے اور اسے زندگی کے جملہ حقوق سے محروم کر کے مار پڑھا دیا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہ بٹنے والے اور مل کر الگ ہو جانے والے کے درمیان انسانی فطرت کا بڑا فرق کرتی ہے۔ نہ

ملنا ملنے، نفرت اور عداوت کو مستلزم نہیں ہے، مگر مل کر الگ ہو جانا قریب قریب سو فی صدی حالات میں بان جذبات کو

مستلزم ہے۔ نہ بٹنے والا مخالفت میں اتنا سرگرم نہیں ہوتا جس قدر مل کر الگ ہو جانے والا سرگرم ہوتا ہے۔ نہ بٹنے والا کبھی

اُن فتنوں کا موجب نہیں بن سکتا جن کا موجب مل کر الگ ہو جانے والا بنتا ہے۔ نہ بٹنے والے کے ساتھ آپ تعاون، دوستی،

معاملت اور اخلاقی و مادی اور معاشرتی تعلقات کے وہ رشتے قائم نہیں کرتے جو بٹنے والے کے ملاپ پر اعتماد کر کے اس

کے ساتھ قائم کرتے ہیں، اس لیے نہ بٹنے والا کبھی اُن نقصانات کا سبب نہیں بن سکتا جن کا موجب مل کر الگ ہو جانے والا

بنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نہ بٹنے والوں کی نسبت اُن لوگوں کے ساتھ نظر بالکل دوسری ہی قسم کا بڑاؤ کرتا ہے جو مل کر

الگ ہو جاتے ہیں۔ انفرادی زندگی میں اتصال کے بعد انفرادی کا نتیجہ محدود ہوتا ہے اس لیے عموماً کشیدگی تک پہنچ کر رہ جاتا

ہے۔ اجتماعی زندگی میں یہ چیز زیادہ بڑے پیمانے پر نقصان کی موجب ہوتی ہے اس لیے فرد کے خلاف جماعت کی کارروائی بھی

زیادہ سخت ہوتی ہے اور جہاں الگ ہونے والا کوئی فرد واحد نہیں بلکہ کوئی بڑا گروہ ہوتا ہے وہاں نقصان کا پیمانہ بہت بڑھ

جاتا ہے اس لیے اس کا نتیجہ لازماً جنگ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جو لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ کافر اور مرتد کے ساتھ اسلام دو مختلف رویے کیوں اختیار کرتا ہے، انہیں بتانا

معلوم نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی اجتماعی نظام ایسا نہیں ہے جو اپنے اندر شامل نہ ہونے والوں اور شامل ہو کر الگ ہو جانے والوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا ہو۔ الگ ہونے والوں کو اکثر کسی نہ کسی نوعیت کی سزا ضرور دی جاتی ہے اور بارہا ان کو واپس آنے پر مجبور بھی کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جو نظام جتنی زیادہ اہم اجتماعی ذمہ داریوں کا حامل ہو اس کا رویہ اس معاملہ میں اتنا ہی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فوج کو لیجیے۔ قریب قریب تمام دنیا کے فوجی قوانین میں یہ بات مشترک ہے کہ فوجی ملازمت اختیار کرنے پر تو کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا مگر جو شخص با اختیار خود فوجی ملازمت میں داخل ہو چکا ہو اسے ملازمت میں رہنے پر لازماً مجبور کیا جاتا ہے۔ وہ استعفا دے تو ناقابل قبول ہے، خود چھوڑ جائے تو مجرم ہے، جنگ کی عملی خدمت (Active service) سے فرار ہو تو سزائے موت کا مستحق ہے، عام فوجی خدمات سے بھاگے تو حبس دوام تک کی سزا یا سکتا ہے، اور جو کوئی اس بھاگنے والے کو پناہ دے یا اس کے جرم پر پردہ ڈالے تو وہ بھی مجرم ٹھہرتا ہے۔ یہی طرز عمل انقلابی پارٹیاں اختیار کرتی ہیں۔ وہ بھی کسی کو اپنے اندر شامل ہونے پر مجبور نہیں کرتیں مگر جو شامل ہو کر الگ ہو جائے اسے گولی مار دیتی ہیں۔

یہ معاملہ تو فرد اور جماعت کے درمیان ہے۔ اور جہاں جماعت اور جماعت کے درمیان یہ صورت پیش آتی ہے وہاں اس سے زیادہ شدید معاملہ کیا جاتا ہے۔ وفاق (Federation) اور تحالف (Confederacy) کے متعلق اکثر آپ نے سنا ہو گا کہ جرمینیا میں اس قسم کے اتحاد میں شریک ہوتی ہیں ان کو شریک ہونے یا نہ ہونے کا اختیار تو دیا جاتا ہے مگر شریک ہو چکنے کے بعد الگ نہ جانے کا دروازہ از روئے دستور بند کر دیا جاتا ہے۔ اور جہاں دستور میں اس قسم کی کوئی تصریح نہیں ہوتی وہاں بھی علیحدگی کے حق کا استعمال اکثر جنگ تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ انیسویں صدی میں دو لڑائیاں اسی مسئلہ پر ہو چکی ہیں۔ پہلی لڑائی سوئٹزر لینڈ میں ہوئی جبکہ ۱۸۴۷ء میں سات رومن کیٹھولک ریاستوں نے کانفیڈریسی سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس پر کانفیڈریسی کے باقی شرکار ان الگ ہونے والی ریاستوں سے برسرِ پیکار ہو گئے اور انھوں نے لڑ کر انھیں مجبور کیا کہ پھر ان کی وفاقی ریاست میں شامل ہو جائیں۔ دوسری لڑائی امریکہ کی خانہ جنگی (American civil war) کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۸۶۱ء میں ممالک متحدہ امریکہ کے اتحاد سے سات ریاستیں الگ ہو گئیں اور انھوں نے اپنا علیحدہ (باقی مضمون صفحہ ۱۷۷ پر درج ہے)